ڈاکٹر شفیق انجم

استاد شعبہ اردو،

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

انیسویں صدی کے مؤقر اردو اخبارات و جرائد: ایک محاکمہ

Dr. Shafiq Anjum

Associate Professor, Urdu Department,

National University of Modern Languages, Islamabad.

Prominent Urdu Newspapers & Journals of Nineteenth Century: A Review

Journalism, in South Asia was introduced by the Employees of East India Company. Earlier, a Dutch employee William Bolts tried to publish a newspaper stating injustice of the Company but he was directed to quit and proceed to England. Later, James Augustus Hicky tried the same and succeeded in shape of 'Hicky's Bengal Gazette'. Two years later his press and Gazette was seized by the authorities. In coming decades, some more newspapers appeared not only in Company's hub Calcutta but also in other trade hubs like Madras and Bombay.

The story of Urdu Journalism started decades later in 1822 when Munshi Sada Sukh from Calcutta initiated Jam e Jahan Numa. In coming years Urdu Journalism got well attention as a profitable Business but restrictions on freedom of expression were still there. After 1857, this issue became more Complex especially for the Muslims. So that investors focused their attentions on social and literary issues in spite of political matters and kept forwarding. In this article it is tried to analyze the development of prestigious Urdu newspapers and journals of nineteenth's century keeping in view their business perspectives. Mainly four periodicals named 'Awadh Akhbar', 'Awadh Punch', 'Tehzeebul Akhlaq' and 'Paisa Akhbar' are focused to conclude the session.

برصغیر میں برطانوی راج کے آغاز و عروج کی کہانی سیاست کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں تغیر و تبدل کی ایسی بہت سی کہانیوں کی بنیاد بنی جن کو یکبارگی بیان کرنا سہل نہیں لیکن مرکزی قصے سے جدا کر کے بیان کرنا بھی نادرست ہے۔ انھی میں سے ایک کہانی صحافتی سرگرمیوں کی ابتدا اور پھیلاؤ سے متعلق بھی ہے۔ ملوکیت کے قدیمی بت ٹوٹنے اور نئے استوار ہونے کے اس زمانے میں جہاں سیاسی ضرورتیں تبدیل ہوئیں وہیں تجارتی و کاروباری چلن بھی بدلے۔ صحافتی صنعت کی کونپلیں اسی عبوری رخنے سے نمودار ہوئیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تناور درخت بنتی گئیں۔ ابتدا میں اگرچہ کاروبار پیش نظر نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ کہانی اسی طرف پلٹی اور ایک منافع بخش کاروبار کی حیثیت سے متعارف و مقبول ہوتی گئی۔ زیر نظر مضمون میں اس کہانی کی ایک مختصر جھلک پیش کی گئی ہے۔ بہ طور خاص انیسویں صدی میں چیدہ اردو اخبارات و جرائد کا، زبان و ادب کی خدمت کے عمومی تصور سے ہٹ کر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ قومی افادے، اصلاح، تبدیلی، ترقی اور بھلائی کی آوازیں اگرچہ اس زمانے کے بعض اصحاب کی نسبت ایسی مقبول ہیں کہ کسی دوسرے زاویے کی موجودگی کا احتمال نہیں لیکن پھر بھی کچھ مختلف آثار اس مضمون میں برائے توجہ پیش خدمت ہیں۔

ابتدائی صحافتی سرگرمیوں پر نظر کی جائے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ اپنے موقف کے اظہار و ابلاغ کے لیے اخبار جاری کرنے کا خیال انھی ناراض ملازمین کے ذہنِ رسا کی دین ہے۔ اس ضمن میں اولیت ڈچ ملازم ولیم بولٹس کو حاصل ہے جس نے ۱۷۶۸ء میں ایک اشتہار کے ذریعے کمپنی کی بے ضابطگیوں کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کیا اور ایک اخبار نکالنے کی خواہش ظاہر کی۔ کمپنی نے ولیم بولٹس کو ایسا کرنے سے روکا اور جبراً برطانیہ واپس بھیج دیا۔ بعد میں اس نے Considerations on India Affairs کے نام سے کتاب لکھی جو ۱۷۷۲ء میں چھپی اور مقبول ہوئی۔ یہ کتاب آج بھی بنگال میں کمپنی کے معاملات پر ایک وقیع معاصر دستاویز ہے۔ اخبار جاری کرنے کی اگلی کوشش کمپنی ہی کے ایک اور ملازم جیمز آگسٹس ہکی نے کی۔ ہکی نے ۲۹ جنوری ۱۷۸۰ء میں 'ہکی گزٹ' کے نام سے اخبار جاری کیا اور کمپنی ایڈمنسٹریشن کے ساتھ ساتھ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز پر کڑی تنقید کی۔ برصغیر، جنوبی ایشیا، میں اخباری صحافت کا نقطۂ آغاز یہی 'ہکی گزٹ' ہے۔ اس کا سلوگن Open to all Parties, but Influenced by None تھا۔ ہکی کی جارحانہ تنقید کا نتیجہ فورٹ ولیم کالج کی سپریم کورٹ سے قید اور جرمانے کی صورت میں نکلا۔ تاہم ہکی نے جیل میں رہتے ہوئے بھی اخبار کی اشاعت کا عمل جاری رکھا۔ چنانچہ گورنر جنرل کی کونسل نے پریس ایکٹ منظور کر کے گلو خلاصی کی راہ نکالی۔ اس ایکٹ کے تحت ہکی گزٹ کی اشاعت ۲۳ مارچ ۱۷۸۲ء کو حکماً روک دی گئی۔ ہندوستان میں برطانوی راج کے مرکز کلکتہ میں ان اولین مثالوں کے بعد حکومت مخالف اظہارات تو تحت ضابطہ ہوئے لیکن سماجی، کاروباری اور تبلیغی مقاصد کے لیے اخبار جاری کرنے کا خیال کئی ذہنوں کو سوجھ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ برسوں میں نہ صرف کلکتہ بلکہ دیگر کاروباری مراکز مدراس اور بمبئی میں بھی لوگ اس صنعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ انگریزی زبان میں شائع ہونے والے ان اخبارات کے قارئین زیادہ تر کمپنی کے ملازمین، حکومتی عہدیدار، یورپین مبلغین اور کاروباری حضرات تھے۔ بقول عتیق صدیقی:

"اس دور کے اخباروں کی اشاعت بہت کم تھی۔ شاید ہی کسی اخبار کی دو ڈھائی سو کاپیاں چھپتی رہی ہوں۔ ان اخباروں کے پڑھنے والے بھی تقریباً سب کے سب یورپین ہی تھے۔ لیکن ان لوگوں کی رائے یا ان کے خیالات پر ان اخباروں کو کوئی گرفت حاصل نہ تھی۔۔۔ اٹھارویں صدی میں نہ تو کسی روزنامے کا اجرا ہوا اور نہ کوئی ہفتے وار اخبار ہی ترقی کر کے روزنامہ بن سکا۔ بیشتر اخبار ہفتے وار ہی نکلے اور ہفتے وار ہی رہے۔[1]

انگریزی کے علاوہ دیگر زبانوں میں اخبارات کا اجراء انیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ہوا۔ اس سلسلے میں کلکتہ سے راجہ رام موہن رائے کی کاوش کو اولیت حاصل ہے جنھوں نے بنگالی زبان میں 'سمبد کمودی' کے نام سے ایک اخبار نومبر ۱۸۲۱ء میں جاری کیا۔ یہی رام موہن رائے فارسی زبان میں پہلے اخبار 'مراۃ الاخبار' کے بھی خالق و بانی ہیں۔ 'مراۃ الاخبار' کا اجراء ۲۰ اپریل ۱۸۲۲ء کو ہوا۔ اس دورانیے میں گجراتی، مرہٹی اور ملیالم زبانوں میں بھی اخبار جاری ہوئے جن میں سے زیادہ تر کے مقاصد تبلیغی تھے۔

اردو زبان میں پہلا اخبار 'جام جہاں نما' کے نام سے ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء کو منظر عام پر آیا۔ یہ ہفتہ وار اخبار منشی سدا سکھ کی ادارت میں کلکتہ سے اشاعت پذیر ہوا۔ ابتدائی چھے شماروں کے بعد ۱۶ مئی ۱۸۲۲ء کو اس کی زبان اردو سے بدل کر فارسی کر دی گئی۔ ۱۸۳۳ء کے بعد اردو خبریں بہ طور ضمیمہ شامل کی جانے لگیں۔ یہ اخبار بہ طور اردو اخبار تو نہ چل سکا لیکن ایک راستہ سا بنا گیا۔ کلکتہ سے دور، اردو کے مضبوط مراکز دلی، لکھنو اور گرد و نواح میں پریس قائم ہوئے اور اردو اخبارات کا سلسلہ چل نکلا۔ محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے 'دلی اردو اخبار' ۱۰ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو جاری کیا۔ یہ اخبار مقبول ہوا اور سماجی، ادبی و سیاسی حلقوں کی دلچسپی اس میں بڑھتی گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حکومت مخالف کردار ادا کرنے کی پاداش میں اخبار پر قدغن لگا اور مولوی باقر قابلِ گردن زدنی ٹھہرے۔ دلی سے ایک اور قابلِ ذکر اخبار سر سید احمد کے بڑے بھائی سید محمد نے 'سید الاخبار' کے نام سے ۱۸۳۷ء میں جاری کیا۔ سید محمد ۱۸۴۶ء میں وفات پا گئے تو اخبار کا انتظام سر سید نے سنبھالا۔ مولوی کریم الدین پانی پتی کا اخبار 'کریم الاخبار' بھی اسی تسلسل میں لائقِ ذکر ہے جو ۱۸۴۵ء میں دلی سے جاری ہوا۔ اس کے علاوہ کئی دیگر اردو اخباروں کے نام بھی گنوائے جا سکتے ہیں لیکن ان کی حیثیت محض تاریخی ہے۔[2] محدود صفحات و تعداد میں چھپنے والے یہ اخبارات صحافتی صنعت کے قیام و قبول میں معاون تو بنے لیکن ان کا دائرۂ اثر کچھ زیادہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل کے کسی بھی اردو اخبار کو کاروباری حوالے سے رجحان ساز کہنا محال ہے۔

جنگ آزادی اور اس کے نتیجے میں ہونے پیدا ہونے والے تلخ حالات سے دلی اور اس کے نواحی شہر بہ طور خاص متاثر ہوئے۔ مواخذے کے خوف سے سیاسی موضوع اس علاقے کے عوام و خواص کے لیے ایک ٹیبو سا بن گیا جس سے مسلمان اور ہندو یکساں بدکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی کئی دہائیوں تک حکومتی پالیسیوں اور اقدامات پر گرفت کرتا کوئی اخبار یا جریدہ منظر عام پر نہ آ سکا۔ تاہم سماجی اصلاحی سلوگن کے ساتھ کئی اخبارات و جرائد جاری ہوئے اور طے شدہ حدود و قیود میں صحافتی سرگرمیوں کو آگے بڑھایا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب برصغیر میں صحافت ایک کاروبار کے طور پر متعارف ہوئی۔ پریس قائم

کرنا، کتابیں چھاپنا، اور اشتہار بازی کے لیے پمفلٹ ، اخبار اور رسالے جاری کرنا ایک منافع بخش صنعت بن گیا۔ حکومتی اجازت نامے کی رسمی کارروائی کے بعد کوئی بھی فرد جو اس کاروبار کو چلانے کے لیے کسی قدر سرمایہ اور طباعتی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، اس صنعت میں آ سکتا تھا۔ اگرچہ رسک زیادہ ہونے کے باعث اچھے سرمایہ کار اس صنعت میں روپیہ لگانے سے گریزاں ہی رہے لیکن طالع آزماؤں کو یہ راستہ مرغوب ہوا اور یکے بعد دیگرے اشاعتی ادارے قائم ہوتے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ سماجی اصلاح، تفریح، اور کاروباری تشہیر کا مزاج لیے متعدد اخبارات و جرائد کا ورود بھی ہوا جن میں سے چند اپنے عہد پر اثر اندازی کے حوالے سے یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد کے مؤقر اردو اخبارات و جرائد پر نظر کی جائے تو ان میں منشی نول کشور کا 'اودھ اخبار' خصوصیت کے ساتھ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ اخبار لکھنؤ سے جنوری ۱۸۵۹ء میں جاری کیا گیا۔[۳] منشی نول کشور نے آگرہ کالج میں تعلیم حاصل کی لیکن طباعت کے شعبے کی باریکیوں کا عملی تجربہ لاہور میں حاصل کیا۔ لاہور میں معروف کوہِ نور پریس مملوکہ منشی ہر سکھ رائے میں کچھ وقت گزارنے کے بعد انھوں نے لکھنؤ میں اپنا پرنٹنگ پریس قائم کیا اور کاروباری مقاصد کے تحت کتابیں چھاپنا شروع کیں۔ جلد ہی مطبع کا اعتبار قائم ہوا اور ایسا عروج ملا کہ شمالی ہند کا کوئی مطبع معیار و مقدار میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اردو، فارسی، عربی اور سنسکرت کے قدیم متون کی نول کشوری اشاعتوں کی مانگ بڑھتی گئی اور برصغیر کے طول و عرض میں مطبع کی دھوم مچ گئی۔ اس شہرت میں بڑا کردار 'اودھ اخبار' کا بھی ہے۔ شروع میں یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور ۱۸x۲۲ کے چار صفحات پر چھپتا تھا۔ ۱۸۶۴ء میں صفحات کی تعداد ۱۶ کر دی گئی اور سائز بھی بڑھا کر ۲۹x۲۲ کر دیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں اس کی اشاعت ہفتہ وار سے روزانہ کر دی گئی۔ اردو کے پہلے ڈیلی نیوز پیپر کا اعزاز 'اودھ اخبار' ہی کو حاصل ہے۔ اپنے زمانے کے اس کثیر الاشاعت اور موثر ترین اخبار نے سیاست کے بجائے ادب، فنون لطیفہ، اور علمی مباحث کو پیش نظر رکھا اور کسی بھی قسم کی حکومت مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے گریز کیا۔ نتیجتاً یہ اخبار چلتا رہا اور کاروبار نے بھی خوب ترقی کی۔ حکومتی اعتماد و اعتبار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سرکاری پریس موجود ہونے کے باوجود ۷۵ فیصد سرکاری چھپائی کا کام مطبع منشی نول کشور میں ہوتا تھا۔ سرکاری اشتہارات بھی اس اخبار کو دیے جاتے، تجارتی کمپنیوں کے اشتہارات بھی فراواں ملتے۔ گویا منشی نول کشور؛ حکومت، تجارتی کمپنیوں اور علم و ادب سے وابستہ اصحاب کی مدد سے طباعت و صحافت کے شعبے میں نہ صرف کاروباری مناپلی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ اپنے عہد کے منظر نامے میں کامیابی و ترقی کے لیے برطانوی راج سے مفاہمت و مصالحت کی سوچ راسخ کرنے میں بھی کامیاب رہے۔ 'اودھ اخبار' کے سرورق پر وکٹورین عہد کے مشہور اخبار 'لندن نیوز' کے عمارتی عکس سے مشابہہ، چھتر منزل اور کرامت بخش منزل لکھنؤ کا عکس چھپتا تھا۔ غور کیا جائے تو عکسی مشابہت تو شاید ذوقی ٹائپ کی کوئی چیز لگے لیکن معنوی مشابہت بصیرت کے کئی در کھولتی علم و ادب کے پردے میں کارِ سرکار میں معاونت کے تہہ دار زاویوں کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔ منشی نول کشور نے کرایے کے مکان میں مطبع شروع کیا تھا لیکن اپنے کاروباری ہنر کی بدولت جلد ہی لکھنو اور دیگر تجارتی مراکز مدراس، کلکتہ، بمبئی اور لاہور میں ان کا سکہ چلنے لگا۔ انھوں نے اپنی پیپر ملیں قائم کیں اور ہندوستان بھر میں اپنا کاروبار پھیلا دیا۔ 'اودھ اخبار' کے لیے

قابل مدیران بھرتی کیے تاوقتیکہ چار صفحے کے اس اخبار کی ضخامت پہلے چھے پھر سولہ اور پھر اڑتالیس صفحوں تک جا پہنچی۔ اخبار کے نمائندوں کی تعداد بھی روز بہ روز بڑھی اور ایسی کثرت ہوئی کہ کہا جاتا تھا کہ ہندوستان کے ہر شہر میں یا حکومتی کارندے رہتے ہیں یا پھر اودھ اخبار کے نمائندے۔ بقول امداد صابری:

> ''تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے اخبار نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی۔ ملک بھر میں سچی اور صحیح اور تازہ خبریں دینے کے لیے اودھ اخبار مشہور تھا۔ اس کے نامہ نگار تمام صوبوں اور ریاستوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مشہور تھا کہ ہندوستان کی مختلف راجدھانیوں میں یا تو حکومت کے نمائندے رہتے ہیں یا منشی نول کشور کے۔ اس اخبار نے منشی نول کشور کے نام کو چمکایا۔ حکومت میں بھی ان کی قدر ہونے لگی۔ طباعت کا سرکاری کام تقریباً سارا مطبع نول کشور کے سپرد ہو گیا۔ محکمہ تعلیم کے نصاب کی کتابیں بھی یہاں چھپنے لگیں۔ اور چند ہی دنوں میں یہ ملک کا سب سے بڑا پریس بن گیا۔''(۴)

یہ کایا کلپ دراصل ۱۸۶۱ء میں اس وقت آغاز ہوئی جب مطبع نے 'قانون تعزیرات ہند' چھاپی، اور حکومت نے اس کی تیس ہزار کاپیاں خرید لیں۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور اگلے چند عشروں میں چار ہزار سے زائد کتب کی اشاعت کا عظیم کارنامہ انجام پذیر ہوا۔ مطبع کی غیر فرقہ وارانہ پالیسی کی وجہ سے ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی یکساں طور پر ادارے سے مستفید ہوئے اور اپنی مذہبی کتابوں کے معیاری اشاعتوں کے لیے منشی صاحب کے رہینِ منت رہے۔ 'اودھ اخبار' ہندوستان کے علاوہ لندن، فرانس، اور دیگر مغربی شہروں میں بھی باقاعدگی سے ترسیل ہوتا تھا۔ حکام وقت کی تعریف و توصیف اور امرا و رؤسا کی تصویروں کے ساتھ ساتھ اس میں سرکاری و عدالتی احکام، علمی ادبی انجمنوں کی رپورٹیں، جلسوں کی روداد، اور سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کی تفصیلیں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔ منشی صاحب کی گراں قدر خدمات پر حکومت نے انھیں آنریری مجسٹریٹ ممبر میونسپل کمیٹی، جیل کے آنریری انسپکٹر، الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو مقرر کرنے کے علاوہ ۱۸۸۸ء میں سی۔ آئی۔ ای کے خطاب سے بھی نوازا۔ انھیں ریاست اودھ کے درباریوں میں نامزد کیا اور الہ آباد کے سرکاری پریس کا انتظام بھی ان کے حوالے کر دیا۔(۵) منشی صاحب، مطبع نول کشور اور اودھ اخبار، انیسویں صدی کے ہندوستان کی ایک ایسی کہانی ہے جس کے باریک بین مطالعے سے بہت سی دیگر دیسی بدیسی اشتراک پر مبنی کہانیوں کی تفہیم میں گہری مدد ملتی ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں برطانوی راج کی عظمت کا نقش لوگوں کے دلوں میں بٹھانے اور دیسی قوم کے 'اخلاق' کی ترتیب کرنے میں سرسید احمد خان کے رسالے 'تہذیب الاخلاق' کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ یہ رسالہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو علی گڑھ سے جاری کیا گیا۔ پہلے پرچے میں 'تمہید' کے عنوان سے سرسید کی زبانی پرچے کا مقصد ملاحظہ ہو:

> ''اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سولزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلاویں۔''(۶)

یہاں یہ واضح کرنے کی ضرورت غالباً نہیں ہے کہ کامل درجے کی سویلائزیشن ' سے سرسید کی مراد کیا تھی۔ برطانوی حکومت کے ایک وفادار ملازم و بہی خواہ، اور اپنی قوم کے ایک ہمدرد دانشور کی حیثیت سے انھوں نے وسیع پیمانے پر ذہن سازی کی بابت سوچا اور برطانوی جریدوں 'دی سپیکٹیٹر' اور 'دی ٹیٹلر' کو مثال بناتے ہوئے 'تہذیب الاخلاق' جاری کرنے کی سعی کی۔ بعد کے تسلسل پر نظر کی جائے تو اس پرچے کا اجرا دراصل قوم کے چندے سے قوم کی اصلاح کے ایک بڑے پراجیکٹ کا حصہ تھا۔ سرسید اس میں کامیاب رہے اور حکومتی سرپرستی میں ہندوستانی معاشرے کو وہ سب کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، جو سوچا جانا مقصود تھا۔ یعنی ہر طرح کی خرابیاں اور برائیاں ہندوستانی دیسی سماج میں، اور ہر طرح کی خوبیاں اور اچھائیاں ولایتی مقتدر تہذیب میں۔ پس ایسی کایا کلپ ناگزیر ہے کہ دیسی لوگ، ولایتی رنگ میں رنگ جائیں۔ اپنے 'سوشل ریفارمر' کے ذریعے سرسید نے بخوبی باور کرایا کہ ہندوستانی قوم بہ طور خاص مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کا راستہ انگریز سرکار کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہے۔ وہ خود بھی تمام عمر اس پر کاربند رہے اور اپنے پرچے میں بہ طور خاص اس درس کا اہتمام کرتے رہے۔ 'تہذیب الاخلاق' سات سال تک تواتر سے جاری رہا، پھر کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد دوبارہ جاری ہوا اور سرسید کی وفات تک جاری رہا۔ پرچے میں خبریں نہیں بلکہ اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے۔ لکھنے والوں میں سرسید احمد خان کے ساتھ مولوی مہدی علی، منشی مشتاق حسین، مولوی چراغ علی، مولوی الطاف حسین حالی، منشی ذکاء اللہ اور محمد احسان اللہ نمایاں نام ہیں۔ اگرچہ "پرچہ تاجرانہ نظریے کے تحت نہیں نکالا گیا تھا، قوم کی فلاح و بہبود کے لیے جاری ہوا تھا۔ اس لیے اس کی جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ اس کی اشاعت کے بڑھانے میں لگائی جاتی تھی۔" (۷) لیکن یہ واضح ہے کہ اس پرچے کی بدولت نہ صرف علی گڑھ کالج کے لیے چندے کے حصول میں خوب معاونت ملی بلکہ حکومتی حلقوں میں سرسید کا اعتبار بھی بڑھا۔

'London's Punch' کی طرز پر ظریفانہ پرچہ جاری کرنے اور اس سے کاروباری فائدہ حاصل کرنے کے ساتھ حریفوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا خیال انیسویں صدی کے ربع آخر میں کسی لکھنوی بانکے ہی کو آ سکتا تھا۔ پس ایسا ہی ہوا اور منشی سجاد حسین نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے موزوں سمجھتے ہوئے جنوری ۱۸۷۷ء میں 'اودھ پنچ' کی بنیاد رکھی۔ منشی صاحب کا تعلق ایک متمول گھرانے سے تھا۔ والد منشی منصور علی ڈپٹی کلکٹر، بعد ازاں سول جج۔ ماموں نواب فدا حسین خان، لکھنؤ کے ممتاز قانون دان، بعد ازاں ریاست حیدر آباد کے چیف جسٹس رہے۔ منشی صاحب نے ایف اے میں تعلیم ادھوری چھوڑی اور کچھ عرصہ فیض آباد چھاؤنی میں فوجیوں کو اردو پڑھانے کے لیے بہ طور منشی کام کیا لیکن طبیعت کچھ اور ہی تقاضا کر رہی تھی۔ پس ملازمت سے ترکِ تعلق کیا اور منشی محفوظ علی، جو بعد میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے، کے ساتھ مل کر لکھنو سے 'اودھ پنچ' جاری کیا۔ 'آزاد و ظریف ہے اودھ پنچ' کے سلوگن کے ساتھ جاری ہونے اس پرچے نے جلد ہی لکھنوی اشرافیہ کے فطری تفریح مائل اذہان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور پرچہ ہاتھوں ہاتھ بکنے لگا۔ جدید تعلیم، معاشرت، طرزِ زندگی اور آداب و معمولات کے نئے رنگ ڈھنگ پر طنزیہ ظریفانہ تبصروں کے ساتھ کارٹون اور مزاحیہ اشتہار بھی چھاپے جاتے۔ گاہ گاہ حکومت اور حکومتی اشرافیہ کو بھی نشانۂ سخن بنایا جاتا، سرسید بھی بہ طور خاص ہدف بنے لیکن چونکہ یہ سب

معاملہ ایک اشرافیہ کی دوسری اشرافیہ کے ساتھ نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ تک محدود تھا، اس لیے گرفت و قدغن کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی اور جارحانہ، باغیانہ تحریروں کے مقابلے میں اس طرز عمل کو خوش ذوقی و زندہ دلی پر محمول کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے دیگر حصوں سے بھی بہت سے 'پنچ' جاری ہوتے گئے لیکن جو شہرت 'اودھ پنچ' کو ملی وہ کسی دوسرے پنچ اخبار کو نصیب نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''اودھ پنچ' کی غیر معمولی مقبولیت سے متاثر ہو کر متعدد مزاحیہ رسائل منظر عام پر آ گئے۔ ان میں 'سرپنچ ہند' لکھنو (ستمبر ۱۸۷۷ء)، 'پنجاب پنچ' لاہور (۱۸۷۸ء)، 'کلکتہ پنچ' (۱۸۷۹ء)، 'دہلی پنچ' (۱۸۸۰ء)، 'باوا آدم پنچ' بنارس (۱۸۸۱ء)، سرپنچ سید پور (۱۸۸۲ء)، 'ظریف ہند' (۱۸۸۵ء)، 'تیس مار خان' لاہور (۱۸۸۶ء)، 'شریر' لاہور (۱۸۸۷ء) چند ایسے رسائل ہیں جن میں طنز و مزاح کو حریفانہ انداز میں دامن کھینچنے کا وسیلہ بنایا گیا ہے۔ یہ مزاحیہ رسائل عوام کو دوسروں کی قیمت پر سستی تفریح فراہم کرتے تھے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ 'اودھ پنچ' نے نہ صرف معاشرتی ناہمواریوں پر براہ راست نشتر چلانے کی طرح ڈالی بلکہ کٹیلی تنقید کا انداز بھی رائج کیا۔ معاشرے میں حزب اختلاف کا کردار ادا کیا اور اردو ادب کو نہ صرف چند اچھے مزاح نگار دیے بلکہ اردو کے طنزیہ و مزاحیہ ادب کو بھی متاثر کیا۔''(۸)

'اودھ پنچ' کے لکھنے والوں میں منشی سجاد حسین کے علاوہ نواب سید محمد آزاد، پنڈت رتن ناتھ سرشار، اکبر الہ آبادی، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، احمد علی شوق، مچھو بیگ ستم ظریف، منشی جوالہ پرشاد برق اور عبد الغفور شہباز وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے۔ 'اودھ پنچ' کے صفحات سے کئی یادگار ادبی معرکوں نے جنم لیا۔ ان میں ایک 'فسانہ آزاد' کی بیگماتی زبان و محاورے کے ضمن میں تھا۔ دوسرا مولانا حالی کی مقدمہ شعر و شاعری کے حوالے سے۔ تیسرا چکبست کی مرتبہ 'گلزار نسیم' اور مقدمۂ چکبست پر۔ اور چوتھا داغ دہلوی کی ذات اور شاعری پر۔(۹) ان چار حوالوں سے 'اودھ پنچ' کے لکھنے والوں نے طنز و تعریض اور ہزل کے دریا بہا دیے لیکن پڑھنے والوں کو کچھ نیا پڑھنے اور صورتحال کے دوسرے رخ پر سوچنے پر مجبور کر دیا۔ سیاسی نکتہ چینی کے ضمن میں بھی 'اودھ پنچ' کے نشتر تیز اور کاٹ دار تھے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو انیسویں صدی کے ربع آخر میں ہندوستانی ذہن جدید و قدیم کی جس کشمکش سے گزر رہا تھا، اور سماج کے مختلف طبقوں میں انگریزی تہذیب کے رد و قبول کا جو تیز و سست رویہ عام تھا، اس کی سچی تصویریں 'اودھ پنچ' کے صفحات میں بکھری پڑی ہیں۔ پرچے کے مدیران نے نہ صرف ان تصویروں کی پیش کاری کی کاوش کی بلکہ نقل کے مقابلے میں اصل اور بناوٹ کے مقابلے میں حقیقت کے پلڑے میں اپنا ووٹ ڈال کر سماج کی درست راہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ یہ قوم کے چندے سے قوم کی راہنمائی سے ایک مختلف خدمت تھی جس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے اور ہمدردانِ قوم کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوتی گئی جو تاجرانہ منفعت کے ساتھ ساتھ اپنے تہذیبی سچ کو بیان کرنے کا سلیقہ رکھتی تھی۔

کاروباری بنیادوں پر تالیف وطباعت اور صحافت میں جو عروج منشی نول کشور نے لکھنؤ میں حاصل کیا وہی لاہور میں منشی محبوب عالم کے حصے میں آیا۔ وزیر آباد سے گوجرانوالہ اور وہاں سے لاہور پہنچ کر مطبع 'خادم التعلیم' قائم کرنا، کتابیں چھاپنا اور اخبارات شائع کرنا منشی صاحب کو خوب راس آیا۔ ۱۸۸۸ء میں انھوں نے گوجرانوالہ سے ہفتہ وار 'پیسہ اخبار' جاری کیا۔ پہلا پرچہ سو کی تعداد میں چھپا اور بمشکل تقسیم ہوا۔ لیکن ۱۸۸۹ء میں لاہور پہنچ کر اس نے تیزی سے ترقی کی اور معاصر مقبول اخباروں 'کوہِ نور اخبار (۱۸۵۰ء)' اور 'اخبار عام (۱۸۷۰ء)' سے آگے نکل گیا۔ عددی اعتبار سے پانچ ہزار اشاعت کا سنگِ میل عبور کرنے والا یہ لاہور کا پہلا اخبار تھا۔ اسے لاہور کے پہلے روزنامہ کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ پنجاب سے اس زمانے میں جاری ہونے والے دیگر اخبارات 'اخبارِ انجمن پنجاب (۱۸۷۰)'، فیضِ عام (۱۸۷۰ء)'، 'رہنمائے پنجاب (۱۸۷۱ء)'، 'اتالیقِ پنجاب (۱۸۷۱ء)'، 'رفیقِ ہند (۱۸۸۴ء)'، اور 'سراج الاخبار (۱۸۸۵ء)' رسمی طور پر تو لائقِ تذکرہ ہیں لیکن جو رجحان ساز حیثیت 'پیسہ اخبار' کو ملی، وہ منفرد و ممتاز ہے۔ انگریزی اخبار 'Penny Paper' سے متاثر ہو کر منشی محبوب عالم نے اردو میں اس تصور کو رواج دیا اور کامیابی حاصل کی۔ اخبار کی لاگت اور محصول کے درمیان فرق کو اشتہارات کے ذریعے پُر کیا اور نفع کے لیے معاصر سیاسی، سماجی اور تجارتی صورتحال میں بالغ نظری کا مظاہرہ کیا۔ اخبار میں ادبیت کے بجائے اخباریت کو اپنا مطمع نظر بنایا اور سماجی و سیاسی موضوعات پر توازن کے ساتھ خبریں چھاپیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے سروسامانی کے عالم میں لاہور منتقل ہونے والے منشی محبوب عالم جلد ہی ایک عالی شان مطبع کے مالک بنے۔ جہاں سے مختلف موضوعات پر سات سو سے زاید کتابیں چھاپی گئیں جن میں سے پچاس خود منشی صاحب کی تالیف کردہ تھیں۔ کاروباری پھیلاؤ کا اندازہ اس بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نہ صرف 'پیسہ اخبار' ہفت روزہ سے روزنامہ (۱۸۹۷ء) بنا بلکہ تجارتی بنیادوں پر نئے اخباروں کے اجرا کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ ان میں 'انتخاب لاجواب'، 'شریف بی بی'، 'بچوں کا اخبار'، اور ایک انگریزی اخبار 'دی سن' شامل ہے۔ ایسے پھیلے ہوئے کام کے لیے محکمہ ڈاک کو 'پیسہ اخبار پوسٹ آفس' کے نام سے الگ ڈاک خانہ مختص کرنا پڑا۔ منشی صاحب مئی ۱۹۰۰ء میں فن اخبار نویسی میں وسیع تر تجربے کے لیے یورپ روانہ ہوئے اور سر سید احمد خان کی طرح سفر یورپ کی روداد لکھی اور شائع کی۔ گورنمنٹ کی طرف سے انھیں اس کتاب پر چار سو روپے کا انعام بھی دیا گیا۔ (۱۰) منشی محبوب عالم نے صحافت سے نہ صرف دولت و شہرت حاصل کی بلکہ اپنے زمانے کی سیاسی و ادبی منظر کو بھی متاثر کیا۔ انھیں انگریزی، فارسی، عربی، فرانسیسی، ترکی، روسی اور کئی دیگر زبانوں میں لیاقت حاصل تھی۔ معاصر علمی شخصیات کے ساتھ ساتھ حکومتی ایوانوں میں ان کے بہی خواہوں اور دوستوں کا ایک وسیع تر حلقہ موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ 'پیسہ اخبار' سیاسی خبریت کا مزاج رکھنے کے باوجود کبھی ضبط ہوا نہ مدیرِ محترم کو کبھی قید و جرمانے کا سامنا کرنا پڑا۔

بحیثیت مجموعی انیسویں صدی کے نصف آخر کے موقر اردو اخبارات و جرائد سماجی اصلاح، علم و ادب اور ثقافت و فنون کے راستے حکومتی اعتبار حاصل کر کے ترقی و استحکام کی منزل تلاشتے نظر آتے ہیں۔ 'دلی اردو اخبار' اور مولوی محمد باقر کے دردناک انجام کے بعد اس طرح کے کسی تجربے کو دوہرانا تو دور کی بات، سوچنے کے لیے بھی طبیعتیں آمادہ نہ ہوئیں۔ خود مولوی باقر کے فرزند لاہور میں جس طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اس کا عکس 'اخبار انجمن پنجاب' کے صفحات کے

علاوہ ان کی دیگر خدمات سے بخوبی جھلکتا ہے۔ ایسے میں سر سید کا فارمولائے حیات بہت سوں کے لیے کار گر ہی نہیں قابل تقلید بھی بنا۔ مفاہمت و مصالحت کی راہ اختیار کر کے اور حکام وقت کو اپنی وفاداری کا کامل یقین دلا کر شہرت و ناموری کے ساتھ کاروباری، تجارتی وملازمتی فوائد حاصل کرنا رواجِ عام بنتا گیا۔ ایسے میں جن اصحاب کو کسی قدر انگریزی زبان کی شدبد تھی اور انگریزی تہذیب کی ستائش و مدح کا سلیقہ بھی آتا تھا وہ بامِ عروج کو پہنچے۔ یقینی طور پر یہی ایک زاویہ نہیں کہ ہر کہانی کو اس سے وابستہ کر دیا جائے لیکن یہ وہ روزن ضرور ہے جہاں سے دیکھنے پر اس عمومی تفہیم میں تنوع کے رنگ ابھرتے ہیں جس کے مطابق ہر کام قومی خدمت کے جذبے سے سرشار اور ہر شخص بے لوث خدمت گزار نظر آتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ کے اس اہم ترین دور میں ادب، زبان، ثقافت اور مذہبی و سماجی ریفارمیشن کے لیبل کے ساتھ اکہری فرضی شناختوں کے حامل اشخاص، اداروں اور متون کو بارِ دگر زیر بحث لانے سے اس صورتحال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جس کا تعلق برصغیر میں نئے ساہوکاری نظام سے ہے۔ قومی ہمدردی میں اخبار اور رسالے جاری کرنا ایک بات ہے، اس خیر خواہی کے ذریعے سامراجی مقاصد کی تکمیل میں سہولت فراہم دوسری بات۔ اور اگر تیسری بات کے طور پر کاروباری و تجارتی منفعت کو شامل کر لیا جائے تو کہانی مکمل نہیں، تو خاصی واضح ضرور ہو جاتی ہے۔

حوالہ جات / حواشی

۱۔ عتیق صدیقی، ڈاکٹر، ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۹۵

۲۔ باری علیگ لکھتے ہیں: "۱۸۳۷ء میں اردو صحافت کا آغاز ہوا۔ اس سال بنارس سے 'خیر خواہ ہند' اور دہلی سے 'سید الاخبار' جاری ہوئے۔ ایک سال بعد مولوی باقر حسین نے دلی سے اردو اخبار جاری کیا۔ اس اخبار کی نوعیت ادبی تھی۔ ان اخباروں کے علاوہ دلی سے بعض دوسرے اخبار بھی شائع ہوئے۔ ان میں مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ ابو ظفر بہادر شاہ کا اردو اخبار بھی تھا۔ ۱۸۵۰ء میں ہر سکھ رائے نے لاہور سے 'کوہِ نور' جاری کیا۔ اسی سال گوجرانوالہ سے 'گلزار پنجاب' اور سیالکوٹ سے 'خورشید عالم' جاری ہوئے۔ اس زمانہ میں طباعت اور صحافت میں لکھنو نے ایک نمایاں حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۸۵۰ء میں وہاں تیرہ چھاپہ خانے تھے۔ دہلی کے 'صادق الاخبار' (فارسی) کے اقتباسات کو ابو ظفر بہادر شاہ کے مقدمہ میں پیش کیا گیا۔ علمی اور تاریخی مضمونوں کے لیے بابو گوندر ناتھ کا آفتاب ہند (بنارس) اس زمانے میں بہت مقبول تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں انگریزی، بنگالی، اردو، گجراتی اور فارسی اخباروں کی تعداد بہت کافی تھی۔" (باری علیگ، کمپنی کی حکومت، مکتبہ اردو، لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۳۰۳۔۴۰۴)

۳۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، (جلد دوم، پہلا حصہ)، جدید پرنٹنگ پریس، دہلی، س ن، ص ۵۸

اخبار کے اجراء کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ منشی نول کشور کے سوانح نگار سید امیر حسن نورانی کے مطابق:''اودھ اخبار ۱۸۵۸ء میں جاری ہوا۔ اس کا پہلا شمارہ ۲۶ نومبر کو منظر عام پر آیا۔ جو چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کی تقطیع ۲۸x۱۷ سے کچھ بڑی تھی۔ یہ پندرہ روزہ تھا اور نہایت اچھے سفید کاغذ پر طبع ہوا تھا۔ راقم الحروف نے پہلا شمارہ دیکھا ہے۔ (سوانح منشی نول کشور، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص۳۸۔۱۳۶)

اور امداد صابری صاحب کے مطابق:''ادیبوں، مورخوں اور ناقدوں کا تقریباً یہی فیصلہ اور رائے ہے کہ اودھ اخبار ۱۸۵۸ء کو جاری ہوا۔ اس رائے کی تائید آنجہانی علامہ کیفی صاحب نے بھی رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۵ء کے اپنے ایک مضمون میں فرمائی ہے۔ لیکن مولانا عبد الرزاق راشد کی تحقیق یہ ہے کہ اودھ اخبار ۱۸۵۸ء میں نہیں بلکہ ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا تھا۔ اور ۲۳ نومبر ۱۸۵۸ء کو مطبع نول کشور قائم ہوا اور جنوری ۱۸۵۹ء سے اس مطبع میں اودھ اخبار چھپنے لگا۔)'' تاریخ صحافت اردو، ص۵۸)

اس تحقیق کی تائید میں امداد صابری نے ۲ جنوری ۱۸۷۴ء کے ' اودھ اخبار' کی ایک تحریر کے ذریعے بھی کی ہے۔ جس کے مطابق اخبار کا اجرا ۱۸۵۹ء سے ثابت ہوتا ہے۔ پس یہی سن یہاں درج کیا گیا ہے۔

۴۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، (جلد دوم، پہلا حصہ)، ص ۱۱۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۶۔ سر سید احمد خان، تمہید، تہذیب الاخلاق، یکم شوال ۱۲۸۷ھ، (۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء)، ص ۱

۷۔ امداد صابری، تاریخ صحافت (جلد دوم)، ص ۳۵۲

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۳۷

۹۔ منشی محبوب عالم، فہرست اخباراتِ ہند، مرتبہ طاہر مسعود، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۱۹۔۱۱۸

۱۰۔ ایضا، ص ۱۵۲